خواتین کی سماجی سرگرمیاں اور ازدواجی معاہدہ، اسلامی تعلیمات کے تناظر میں

* کلثوم پراچہ

**منزہ حیات

Abstract

In Islamic Shariah, women being naturally fair-sex have not been imposed on with out door activities. Keeping this in view the men are given the responsibility of these activities. But, it does not mean that Islamic jurisprudence forbids women to step out of their threshold. Therefore, the outdoor activities of women in the reign of the Holy Prophet ﷺ indicate this claim. It is a fact, when a woman with her own will become a part of conjugal system; she has to maintain its discipline, which develops a balance relationship between rights and duties. And like the other spheres of life, in connubial family there must be a mechanism for the accomplishment of such deeds to perform all the matters of life. In conjugal family pact, wife is responsible for household activities and duties out of the threshold are imposed on husband. The question arises, if the nuptial pact comprises anagreement that the wife will be allowed to do healthful social / outdoor activities, then, afterwards does the husband according to Islamic dogma, being the head of the family, have any right to stop his better half to go out? In this article, the topic has been discussed and opinions of scholars subcontinent present era are given.

Keywords: Conjugal pact, Family discipline, Women's out door activities, sub-continent's scholars' opinion.

کسی بھی نظام کی کامیابی اس کے نظم وضبط کا بُنیادی کردار ہوتا ہے کیونکہ فوضویت، انارکی اور انتشار سے کسی بھی ادارہ کو نقصان ہی پہنچتا ہے۔ نظم وضبط کے ساتھ حقوق وفرائض کی نگہداشت اور حفاظت سے مُعاشرہ مُستحکم

*اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ وتقابل ادیان، خواتین یونیورسٹی، ملتان

**اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان

بُنیادوں پر استوار ہوتا ہے۔اگر ان حقوق کی حفاظت نہ کی جائے تو مُعاشرہ ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا ہے۔اللہ تعالیٰ نے زندگی گزارنے کے ہر ہر پہلو میں نظم وضبط اور ترتیب کو پسند فرمایا ہے۔خواہ وہ عبادات کا نظام ہو یا مُعاملات کا۔اسی لئے اسلامی شریعت کی رو سے ازدواجی مُعاہدہ میں بھی ایک مُنظم نظام تشکیل دیا گیا ہے۔جس کے تحت حقوق وفرائض میں توازن قائم کرنا مقصود ہے۔ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

”وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ“(۱)

”اورعورتوں کیلئے بھی دستور کے مطابق ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق اُن پر ہیں۔“

چنانچہ خاندانی نظام کے تقسیم کار کے اصول کے تحت اگر چہ عورت جسمانی طور پر زیادہ تر گھر کے دائرے میں رہتی ہے مگر ذہنی اور قلبی طور پر وہ اس مرد کی شریک کار رہتی ہے جو گھر سے باہر جاتا ہے اور باہر کے دائرہ کے کام انجام دیتا ہے۔بیوی کا تعلق اپنے شوہر سے نہایت گہرا ہوتا ہے وہ اس کی ساتھی،اس کی مشیر اور اس کی غم خوار ہوتی ہے۔اس طرح وہ ہر لمحہ مرد کے تمام کاموں کے ساتھ وابستہ ہوتی ہے۔عورت اگر گھر کے کاموں کی خود نگراں ہوتی ہے تو باہر کے کاموں سے وہ مرد کے واسطہ سے واقف رہتی ہے عورت کا تعلق دنیا کے ہر کام اور زندگی کی تمام سرگرمیوں سے ہے۔پچاس فیصد معاملات میں براہِ راست طور پر، بقیہ پچاس فیصد معاملات میں بالواسطہ طور پر زندگی میں عورت کے رول کا معاملہ بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ مرد کا معاملہ،اس کا انحصار اس پر نہیں کہ عورت کو جسمانی طور پر کہاں کھڑا کیا گیا ہے۔بلکہ اس کا انحصار اس پر ہے کہ کتنا زیادہ باشعور بنایا گیا ہے۔حقیقت یہ ہے کہ مرد وعورت کا فرق مقامِ عمل کے اعتبار سے ہے نہ خود عمل کے اعتبار سے۔(۲)

اس کی تائید عہد نبوی کے واقعات سے بھی ہوتی ہے۔مثلاً جب پیغمبرﷺ پر غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تو آپﷺ فطری اندیشوں کے ساتھ گھر تشریف لائے اور اہل خانہ سے کہا کہ مجھے کمبل اوڑھادو۔ چنانچہ ام المومنین حضرت خدیجہؓ بنتِ خویلد نے آپﷺ کو کمبل اوڑھادیا۔کچھ دیر بعد آپﷺ نے اپنی اہلیہ حضرت خدیجہؓ کو غار حرا کا تمام واقعہ سنایا اور ساتھ ہی اپنی نئی ذمہ داری کے بوجھل ہونے کی وجہ سے اپنی جان کے جانے کا اندیشہ ظاہر کیا تو آپ کی اہلیہ محترمہ نے اس کی نفی کی اور فرمایا:

”کلا واللّٰہ لا یخزیک اللّٰہ ابدا، انک لتصل الرحم وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق“(۳)

یہ الفاظ حضرت خدیجہؓ کی گہری سماجی بصیرت کو ظاہر کرتے ہیں کہ جن کے ذریعے انہوں نے واضح کیا کہ

جو شخص صلہ رحمی کرتا ہو، کمزوروں کا بوجھ اٹھاتا ہو، بے حیثیت لوگوں کو کما کر دیتا ہو، مہمان نواز ہو اور جائز اسباب کی وجہ سے لوگوں پر آنے والی مشکلات میں ہاتھ بٹاتا ہو وہ کبھی اللہ کے ہاں بے یارو مددگار نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا مدینہ منورہ میں اکثر معمول تھا کہ اسفار میں جاتے وقت چونکہ تمام ازواج مطہرات کو ہمراہ رکھنا مُشکل امر تھا اس لئے اُن میں قرعہ اندازی کرتے اور صاحب قرعہ کو سفر میں ہمراہ رکھتے۔ یوں آپ ﷺ کی بیرون خانہ سماجی، سیاسی اور عسکری مصروفیات میں آپ کی معاون بنتیں جو اس امر کی علامت تھی کہ رسول اللہ ﷺ ازواج مطہرات کو گھر سے باہر کے سماجی معاملات سے واقفیت کا بھرپور اہتمام رکھتے تھے، چنانچہ ازواج مطہرات سماجیات کے تانے بانے کو نہ صرف سمجھتی تھیں بلکہ اُن کے بارے میں اپنی جچی تلی رائے بھی رکھتی تھیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی جنگی مہمات تک میں ازواج مطہرات ہمراہ ہوتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ کی معاونت کرتی تھیں۔ مثلاً سن ۵ ہجری میں احکام حجاب کے نزول کے باوجود ۶ ہجری میں بنی مصطلق کے سفر میں حضرت عائشہ صدیقہؓ ہمراہ تھیں۔ اسی طرح سن ۸ ہجری میں طائف کے غزوہ میں حضرت ام سلمہؓ اور حضرت زینب بنت جحشؓ آپ کے ہمراہ تھیں۔ (۴)

علاوہ ازیں معاہدہ حدیبیہ (۶ ہجری) کے موقع پر جب عام مسلمان سخت بے چینی میں مبتلا تھے کہ معاہدہ کی بعض دفعات قریش کے حق میں اور بظاہر مسلمانوں کے خلاف تھیں۔ اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو احرام کی پابندیوں سے نکلنے کے لئے اونٹوں کی قربانی اور سر منڈوانے کا حکم دیا تو کسی کی توجہ نہ ہوئی۔ حتیٰ کہ تین بار دہرانے کے باوجود کسی نے کوئی پیش رفت نہ کی تو رسول اللہ ﷺ ام المؤمنین حضرت ام سلمہؓ کے خیمہ میں تشریف لے گئے جو اس سفر میں آپ ﷺ کے ہمراہ تھیں اور ان سے لوگوں کی سرد مہری پر اپنی تشویش کا اظہار کیا تو حضرت ام سلمہؓ نے تجویز دی کہ اے نبی خدا! آپ اپنے حکم کی تعمیل چاہتے ہیں تو آپ خیمہ سے باہر جا کر کسی سے کچھ نہ کہیں، یہاں تک کہ آپ اپنا اونٹ خود قربان کریں اور حجام کو بلا کر اپنے سر کے بال منڈوائیں۔ چنانچہ آپ نے خیمہ سے باہر جا کر ایسا ہی کیا۔ چنانچہ لوگوں نے آپ کے عمل کو دیکھا تو وہ بھی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے اونٹ قربانی کرنے لگے اور ایک دوسرے کے بال مونڈنے لگے۔ یہاں تک کہ یوں لگا کہ وہ صدمہ کی کیفیت میں ایک دوسرے کو ہلاک کر ڈالیں گے۔ (۵)

حضرت ام سلمہؓ کی بروقت تجویز اس امر کی غمازی کرتی ہے کہ وہ انسانی نفسیات پر گہری نظر رکھتی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کی تجویز قبول کر کے نہ صرف ان پر اعتماد کیا بلکہ بحران کو بھی ٹالا۔

دراصل عورت کا جس طرح خاندان کی تشکیل میں حصہ واضح ہے اُسی طرح معاشرہ کی تشکیل میں بھی اُس کا حصہ ناقابل انکار ہے۔ اگر اس کو خاندان کی تعمیر وترقی کی ترجیحی ذمہ داری کے ساتھ معاشرہ کی تعمیر وترقی میں اس کی اپنی صوابدید اور سہولت پر شرکت کی اجازت دی جائے گی تو یہ مقاصد نکاح سے کسی صورت تضاد نہیں رکھتا لہذا سورۃ الاحزاب کی آیت نمبر 33 میں بنیادی ممانعت، تبرج جاہلیۃ (زمانہ جاہلیت کی طرح سج دھج کر اپنی زینت کا اظہار کرنا) کی ہے جس کے لئے تمہیدی درجہ کا حکم ''قرن فی بیوتکن ''(اپنے گھروں میں قرار پکڑو) دیا گیا۔ چنانچہ بغیر تبرج کے گھر سے نکلنے سے منع نہیں کیا گیا۔

اسی طرح قرآن حکیم میں مذکور احکام غض بصر (النور ۲۴: ۳۱-۳۰) وادنائے جلباب (الاحزاب ۳۳: ۵۹) اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ عورت کو بیرون خانہ نکلنے کی اجازت دی گئی ہے، اسی بناء پر اس کے لئے مناسب طریق کار کی نشاندہی کی گئی ہے۔ تاکہ معاشرتی پاکیزگی کا اہتمام ہو سکے۔ چنانچہ تبرج جاہلیۃ کے ساتھ ساتھ بدن نظر آنے والے باریک لباس پہننے اور لوگوں کو متوجہ کرنے والی خوشبو استعمال کرنے کی ممانعت کی نصوص، بیرون خانہ عورت کے نکلنے کے اصول وضوابط کو متعین کرتی ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ حدیث نبوی ﷺ کے مُطابق رسول اللہ ﷺ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی آئی تھی کہ (عورتوں) کو اپنی ضرورت وحاجت کی خاطر گھروں سے باہر جانے کی اجازت ہے۔ (۶)

چنانچہ عہد نبوی میں خواتین سماجی تقاضوں کے تحت گھر سے باہر نکلا کرتی تھیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ انصار کی خواتین کی ستائش کرتے ہوئے کہتی ہیں کہ دین کی اعلیٰ دانش حاصل کرنے میں روایتی شرم وحیاء ان کے لئے مانع نہیں بنتی تھی۔ ان کے الفاظ ہیں:

''نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعھن الحیاء ان یتفقھن فی الدین ''(۷)

گویا خواتین دین کی گہری دانائی حاصل کرنے کے لئے علمی مجالس میں شریک ہوتی تھیں۔ جو عام طور پر گھر سے باہر اور مسجد نبوی ﷺ میں ہوا کرتی تھیں۔ اسی طرح حضرت خولہ بنت قیس جہینہؓ رسول اللہ ﷺ کے خطبہ جمعہ سننے کا ذکر کرتی تھیں۔ (۸)

عہد نبوی میں خواتین نہ صرف حصول علم کے لئے گھر سے باہر نکلتی تھیں بلکہ تعلیم دینے کے لئے بھی جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ مہاجر صحابیات میں سے حضرت شفا بنت عبداللہؓ نے ام المومنین حضرت حفصہؓ کو کتابت سکھائی تھی۔ ایک موقع پر وہ حضرت حفصہؓ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں تو رسول اللہ ﷺ نے اُن سے مرض نملہ کا علاج سکھانے کا تقاضا بھی کیا۔ روایت کردہ الفاظ اس طرح ہیں ''الا تعلمین ھذہ رقیۃ النملۃ کما علمتھا الکتابۃ ''(۹)

نہ صرف یہ بلکہ خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور میں حضرت شفاء بنت عبداللہؓ کو بازار کے امور کی نگرانی بھی سونپی تھی۔(۱۰)

علاوہ ازیں قرآن حکیم (الطلاق ۶۵:۰۱) نے مطلقہ عورت کے احکام میں اس امر کا ذکر کیا ہے کہ دوران عدت نہ وہ خود گھر سے باہر نکلے اور نہ اس کو گھر سے نکالا جائے۔ سوائے اس کے واضح بے حیائی کا ارتکاب کرے جس سے اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ غیر مطلقہ عورت کے گھر سے باہر آمدورفت کو ممنوع قرار نہیں دیا گیا وگرنہ مطلقہ اور غیر مطلقہ عورت کے احکام میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔

نہ صرف یہ بلکہ مطلقہ عورت کو بھی بوقت حاجت گھر سے باہر جانے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں ہوگئی تھیں تو وہ دوران عدت اپنے کھجور کے درختوں سے پھل اتارنے کے لئے گھر سے باہر گئیں تو کسی شخص نے انہیں اس سے منع کیا تو انہوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

''اخرجی فجدّی نخلک، لعلک ان تتصدقی منه او تفعلی خیرا''(۱۱)

''تم گھر سے باہر جا کر کھجور کے درخت سے پھل اتار سکتی ہو، تاکہ تم اس میں سے (اصل یا رقم سے) صدقہ کر سکو یا کوئی اور نیکی کا کام کر سکو۔''

گویا رسول اللہ ﷺ نے کار خیر کے لئے ان کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عہد نبوی میں خواتین کی بیرون خانہ معاشی سرگرمیاں رہی ہیں اور عہدِ نبوی ﷺ میں خواتین اپنے باغات اور کھیتوں کی دیکھ بھال کیا کرتی تھیں اور جن صاحب نے حضرت جابر بن عبداللہؓ کی خالہ کو باہر آنے سے منع کیا تھا وہ عدت کے پس منظر میں تھا۔ گویا عام حالات میں ان کے گھر سے باہر آنے پر کوئی اشکال نہ تھا۔ چنانچہ حضرت سہل بن سعدؓ ایک خاتون کا ذکر کرتے ہیں جو اپنے کھیت میں پانی کی گزرگاہ کے اطراف میں چقندر کاشت کیا کرتی تھیں اور جمعہ کے دن سہل بن سعدؓ اور بعض دیگر صحابہ ان سے ملاقات کے لئے جاتے تو وہ چقندر اور آٹے سے تیار کردہ حلوہ سے ان کی ضیافت کرتیں۔(۱۲)

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے شوہر حضرت زبیر بن عوامؓ کو میرے مکان سے دو میل (تین فرسخ) کے فاصلہ پر ایک قطعہ زمین کاشت کرنے کے لئے دیا تھا، میں اس زمین سے کھجور کی گٹھلیاں سر پر لاد کر لایا کرتی تھی۔ عہد نبوی ﷺ کے

علاوہ عہد خلافت راشدہ میں بھی کئی خواتین کے کاروباری سرگرمیوں کا ذکر ملتا ہے۔(۱۳) مثلاً عمرہ بنت طبیخ نے ایک مرتبہ اپنی خادمہ کے ہمراہ بازار جا کر مچھلی خریدی اور اس کو ایک ٹوکری میں رکھا۔ٹوکری کے چھوٹے ہونے کی وجہ سے اس کا سر اور دم باہر نکلے ہوئے تھے۔ راستہ میں خلیفہ چہارم حضرت علیؓ سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے اس کی قیمت دریافت کی اور اس کی تعریف بھی کی کہ یہ بڑی بھی ہے اور نفیس بھی اس سے گھر کے تمام لوگ سیر ہو کر کھا سکتے ہیں۔(۱۴)

اس واقعہ سے نہ صرف خواتین کی صارفانہ سرگرمیوں (Consumers' activities) کا اندازہ ہوتا ہے بلکہ معاشرہ میں افراد کے باہمی معاشرتی رویوں پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ ایک دوسرے کی حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔

عہد نبوی میں غزوات کے دوران زخمیوں کی مرہم پٹی، پیاسوں کو پانی پلانا، مجاہدین کے سامان کی دیکھ بھال کرنا اور ان کے لئے کھانا تیار کرنا بھی خواتین کی مصروفیات کا حصہ رہا ہے۔حضرت ام عطیہؓ اپنے بارے میں بتاتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میں نے سات غزوات میں شرکت کی۔ میں مجاہدین کے سامان کی نگہداشت کرتی، ان کے لئے کھانا تیار کرتی، زخمیوں کو علاج اور بیماروں کی تیمارداری کرتی۔(۱۵) اسی طرح ایک اور صحابیہ آپ کے ساتھ چھ غزوات میں زخمیوں کے علاج معالجہ اور بیماروں کی تیمارداری کا ذکر کرتی ہیں۔(۱۶)

حضرت علیؓ کے عہد میں جنگ صفین کے بعد تحکیم کے موقع پر ایک گروہ نے آپ سے اختلاف کرتے ہوئے علیحدہ گروہ بنا لیا جو تاریخ میں ''خوارج'' کے نام سے مشہور ہوا۔اس گروہ کے سربراہ نجدہ حروری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خط بھیجا جس میں دیگر سوالات کے علاوہ اس نے یہ بھی دریافت کیا تھا کہ کیا رسول اللہ ﷺ خواتین کو جہاد پر لے جاتے تھے تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے اس امر کی تصدیق کی کہ آپ خواتین کو ساتھ لے جاتے تھے اور وہ زخمیوں کے علاج معالجہ کا کام کرتی تھیں۔(۱۷)

قرآن حکیم میں سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۵ کی رو سے عورت کی زنا کاری کی سزا، چار مسلمانوں کی گواہی پر ساری عمر کی خانہ نشینی (امساک فی البیوت) بتائی گئی ہے۔جس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عورت کو عام حالات میں گھر سے باہر جانے کی اجازت ہے اور اگر ایسا نہ ہوتا تو جرم کی صورت میں گھر میں پابند کرنے کی سزا کوئی معنی نہیں رکھتی۔ چنانچہ برصغیر کے معروف انقلابی عالم دین مولانا عبیداللہ سندھی (م ۱۹۴۴ء) کہتے ہیں:

چار مسلمانوں کی گواہی کی شرط یہ ثابت کرتی ہے کہ عورت کے گھر سے باہر آمد و رفت کی آزادی کو اسلام

نے کس قدر قیمتی سمجھا ہے اور اس کے علاوہ چار مسلمانوں کی گواہی خود اس قدر سخت ہے کہ ننانوے فیصدی حالتوں میں چار مسلمان گواہوں کا ملنا قریب قریب ناممکن ہے۔ جس سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ عورت کی گھر سے باہر آنے جانے کی آزادی کا حق کس قدر مقدس اور قابل قدر ہے کہ ننانوے فیصد حالتوں میں اس کو اس حق سے محروم نہیں کیا جا سکتا۔(۱۸)

گویا خواتین کا اپنی حاجات وضروریات کیلئے گھر سے نکلنے کا جواز، شرعی نصوص کی روشنی میں مسلم حیثیت رکھتا ہے۔ تاہم ایک خاندانی نظام میں شوہر کے ہاتھ انتظامی زمام کار ہوتی ہے اور جائز امور میں اس کی ہدایات کو مدِ نظر رکھنا ازدواجی زندگی میں استحکام کا باعث ہوتا ہے اور اسی بنا پر مردوں کو خواتین کے امور کی دیکھ بھال کرنے والا (قوّام) قرار دیا گیا ہے (النساء۴:۳۴) نیز ارشاد خداوندی ہے ''وللرجال علیهن درجة ''(۱۹) اس لئے بیوی کو بیرون خانہ/ سماجی امور کی انجام دہی میں شوہر کو اعتماد میں لینا منشاء شریعت اور قرین عقل ہے، اس تناظر میں اگر زوجین کے مابین عائلی معاہدہ میں یہ امر طے پا جائے کہ عورت بیرون خانہ جائز مصروفیات رکھے گی تو ایسے معاہدہ کی شرعی حیثیت اہل علم میں زیر بحث آئی ہے اور برصغیر میں عصرِ حاضر کے علماء شریعت کے مابین اس بارے میں متنوع آراء پائی جاتی ہیں۔

علماء کی ایک جماعت کی رائے میں زوجین کے مابین طے پانے والے ایسے معاہدہ کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اور شوہر بہرصورت خاندانی نظام کے سربراہ کے طور پر بیوی کو بیرون خانہ مصروفیت اور معاشی ملازمت سے روکنے کا حق رکھتا ہے۔ وہ اس کی بیرون خانہ مصروفیت وملازمت کو دین فطرت کے خلاف قرار دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ زوجین کے مابین ایسا معاہدہ ناقابل عمل ہے جس کے تحت بیوی کو ملازمت کرنے کا اختیار دیا جائے۔ اُن کی نظر میں ایسا معاہدہ مقاصد نکاح کے منافی ہے۔ لہٰذا شوہر ایسے معاہدہ کے باوجود بیوی کو منع کر سکتا ہے۔(۲۰) ان کی حساس رائے میں موجودہ زمانہ میں عورت کا ملازمت کرنا مرد کے آبگینہ غیرت کو ٹھیس پہنچانا ہے۔(۲۱)

وہ اس حوالہ سے اپنے تحفظات اور اندیشوں کا یوں ذکر کرتے ہیں کہ عورت کے گھر سے باہر نکلنے کی صورت میں گھر سے غیر حاضر رہے گی اور گھر واپسی میں تاخیر ہو سکتی ہے۔ جس سے شکوک وشبہات کے دروازے وسیع ہوتے جائیں گے اور میاں بیوی کے تعلقات خراب اور زندگی اجیرن ہو سکتی ہے۔ اسی طرح عورت گھر سے باہر نکلتے وقت عطر، خوشبو اور زینت کی طرف راغب ہوگی جو صرف شوہر کے لئے اختیار کرنے کی اجازت ہے۔ نیز جن اعضاء کا مستور رکھنا شرعاً واجب ہے ان کا کشف واظہار ہوگا۔ مثلاً بال، گردن، پنڈلی وغیرہ جو کہ باعث فتنہ ہے۔(۲۲)

ان اہل علم کی رائے میں عورت کا اپنے آپ کو گھر سے باہر کی ایسی مصروفیت سے فارغ رکھنا واجب ہے۔

جوشوہر کے حق حبس (نظم وضبط) کومتاثر کرتی ہے۔ درحقیقت ان حضرات نے علامہ حصکفی (م ۱۰۸۸ھ) کی اس رائے کواپنایا ہے، جوانہوں نے صاحب البحرالرائق کے حوالہ سے ذکر کی ہے:

''لہ منعھا من الغزل وکل عمل تبر عالا جنبی ولو قابلة اومغسلة لتقدم حقه علی فرض الکفایة من مجلس العلم الالناز لة امتنع زوجھا من سو الھا ''(۲۳)

''شوہرکوحق ہے کہ بیوی کودھاگے کاتنے اور ایسے ہر کام سے روکے جو وہ کسی اجنبی (غیرمحرم) شخص کے لئے نیکی کے طور پر انجام دے خواہ وہ دایہ ہو یا غسالہ ہو۔ کیونکہ شوہر کا حق ،فرض کفایہ پرمقدم ہے۔ سوائے اس کے وہ کسی ایسے پیش آمدہ مسئلہ کی بابت ہو جس کوشوہر دریافت نہیں کررہا ہو۔''

اس کے برعکس عصر حاضر میں دیگراہل علم زوجین کے مابین طے پاجانے والے ایسے معاہدہ کی پاسداری کوازروئے شرع ضروری قرار دیتے ہیں جس کی رو سے بیوی بیرون خانہ کوئی معاشی سرگرمی اختیار کرے۔

اُن کی رائے میں موجودہ دور میں ملت کے مصالح اوراجتماعی مفادات اس بات کے متقاضی ہیں کہ تعلیمی وطبی خدمات سمیت ایسی خدمات جوعورتوں کے لئے مخصوص ہیں خواتین سے ہی لی جائیں۔ نیز بسا اوقات انفرادی حالات بھی ایسے ہو سکتے ہیں کہ عورت ملازمت کرتے ہوئے اپنی گھریلو ذمہ داریاں ادا کرنے کے لئے کوئی مناسب انتظام کرسکتی ہے۔ لہٰذا عائلی معاہدہ میں اگرشوہر نے ملازمت کی شرط سے اتفاق کیا ہے تو اس کی پابندی اس کے لئے ضروری ہے، الا یہ کی ملازمت میں شرعی حدود کا لحاظ نہ رکھا جاسکے یا شوہر یا بچوں کوضرر پہنچتا ہو تو ایسی صورت میں مُعاہدہ کی پابندی لازم نہ ہوگی اور اگرشوہر معاہدہ کے باوجود بغیر کسی معقول وجہ کے بیوی کوسلسلہ ملازمت سے روکتا ہے تو وہ عدالت سے رجوع کرسکتی ہے۔(۲۴)

چنانچہ ہندوستان سے تعلق رکھنے والے مذہبی سکالر ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی کہتے ہیں:

اگرعورت نکاح کے وقت اپنے ہونے والے شوہر سے یہ شرط لگاتی ہے کہ شوہر اسے لگی ہوئی ملازمت سے نہ روکے گا یا آئندہ کوئی مناسب ملازمت مل جائے تو شوہر ملازمت سے نہیں روکے گا تو ہندوستان کے موجودہ اقتصادی اورسماجی مصالح کے پیش نظر شوہر کے لئے اس کی پابندی ضروری ہوگی اور اگرعورت کی جملہ ضروریات پوری نہیں کی جاسکتیں اس پرشوہر کے حکم کی تعمیل ضروری نہیں۔(۲۵)

مولانا اخلاق الرحمٰن، اس سلسلہ میں مطلوبہ شرائط کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اگرعورتیں اورلڑکیاں ایسی یونیورسٹی سے متعلق ملازمت سے وابستہ ہیں جہاں خالص (محض) عورتیں

ہی کام کرتی ہیں یا مرد بھی کام کرتے ہوں لیکن عورتوں کا اختلاط اُن سے نہ ہوتا ہو اور یونیورسٹی یا کلبوں کا قانون بھی اس اختلاط سے پرہیز کرنے کے لئے ضروری ہونے کا ہو، اسی طرح عورت کے ناشزہ بننے کا خطرہ نہ ہو جس سے نسب وشرافت پر داغ پڑے اور عورت بھی بڑی محتاط انداز سے ملازمت کی ذمہ داری ادا کرتی ہے تو ایسی صورت میں شرط قبول کر لینے کے بعد شوہر کو روکنے کا حق حاصل نہ ہوگا لیکن تعمیل حکم زوج بہتر ہے۔(۲۶)

بعض حضرات (۲۷) نے معاشی ملازمت کے حوالہ سے گرلز سکول کی نشاندہی کی ہے کہ اگر کسی گرلز سکول میں ملازمت ہو جہاں سارا نظام عورتوں کے ہاتھ میں ہو یا کوئی مدرسہ البنات ہو جہاں مردوں کے داخلے پر پابندی ہو اور آنے جانے میں بے پردگی کے فتنہ سے بچاؤ کا اہتمام ہو تو ایسی صورت میں قبول شرط کے بعد (معاہدہ کے بعد) شوہر کو ملازمت سے روکنے کا کوئی حق نہ ہوگا۔

جب کہ مولانا محمد طیب الرحمٰن بھی ایسے معاہدہ کو واجب الفریضہ وعدہ قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ملازمت (موجودہ یا ملنے والی) سے نہ روکنے کی شرط پر ہونے والے عقد نکاح، ایک وعدہ کے درجے میں ہے۔ کیونکہ یہ شرائط مباحہ کے قبیل سے ہے اور شرط قبول کرنے کی وجہ سے واجب الایفاء ہے، کیونکہ وعدہ کے خلاف کرنا حرام ہے۔ البتہ کسی مانع شدید کی وجہ سے کوئی شخص ایفاء نہ کر سکے تو اس صورت میں گناہ نہیں۔ ملازمت کی وجہ سے حقوق زوجیت متاثر ہوں یا حدود شرعیہ سے تجاوز کرنا پڑے تو شوہر کے ذمہ اس کی شرط کی پابندی نہیں۔(۲۸)

معروف دینی سکالر مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، ایسی صورت میں کہ معاہدہ نکاح کے بعد شوہر بیوی کو نفقہ سے محروم رکھتا ہے، اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص بے روزگار ہو اور عورت کا نفقہ ادا نہ کرتا ہو اور ہٹ دھرمی پر تلا ہو جس کے سبب عورت اپنی ضرویات زندگی کی تکمیل کے لئے کوئی جائز ملازمت اختیار کر لے اور شوہر اس ملازمت کے حق میں نہ ہو تو ایسی صورت میں عدالت، معروضی حالات کی روشنی میں فیصلہ کرنے کا مجاز ہوگی کہ عورت کو ملازمت کرنے سے روکا جائے یا نہیں۔ اس ضمن میں عدالت اس امر کا جائزہ لے گی کہ شوہر اپنے موقف میں سنجیدہ ہے کہ وہ اپنی بیوی کی جملہ جائز ضروریات کو پورا کرے گا یا بیوی کو مزید مشقت میں ڈالنے کی غرض سے محض حکم شرعی کا سہارا لے کر محض اپنی بالا دستی جتانا چاہتا ہے۔(۲۹)

یہ امر لائقِ غور ہے کہ فقہی لٹریچر میں عورت کی معاشی سرگرمیوں کے حوالہ سے عمومی طور پر جو قوی تحفظ پایا جاتا ہے وہ درحقیقت متعلقہ فقہاء کرام کے اپنے دور کے عرف و ماحول کا آئینہ دار ہے۔ ماضی میں معاشی کفالت کی نوعیت سادہ اور آسان تھی، مادی مسابقت کا جذبہ ایک حد تک تھا اور ضروریات زندگی کی کمیت اور کیفیت میں موجودہ زمانہ کے

اعتبار سے پھیلاؤ نہ تھا۔علاوہ ازیں ان فقہاء کی آراء وخیالات میں مرد کی نفسیاتی حالت کو بھی پیش نظر رکھا گیا ہے کہ جس کو موجودہ دور میں بھی ملحوظ رکھا جانا ضروری ہے۔تا کہ زوجین کے مابین شکوک وشبہات کا ماحول جنم نہ لے۔ جیسا کہ علامہ کاسانی (م۵۸۷ھ) کہتے ہیں:

''لانها لولم تكن ممنوعة من الخروج والبروز لاختل السكن والنسب لأن ذلك مما يريب الزوج ويحمله على نفي النسب''(۳۰)

''اگر عورت کے لئے گھر سے باہر نکلنا اور نمایاں ہونا ممنوع نہ قرار دیا جائے تو (ازدواجی) سکون اور (اولاد کے) نسب میں خلل واقع ہوسکتا ہے اس لئے کہ یہ بات شوہر کو شک میں مبتلا کرے گی اور اسے اولاد کے نسب کی نفی پر مشتعل کرے گی۔''

تاہم اس حقیقت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ خواتین کو اپنی روزمرہ کی زندگی میں علاج ومُعالجہ کی ضرورت پیش آتی ہے اور کئی پیچیدہ بیماریوں میں عملِ جراحی اور سرجری کے مراحل سے بھی گزرنا پڑتا ہے ایسے میں خواتین کے علاج ومُعالجہ کے لئے خواتین طبی عملہ کا ہونا ایک ناگزیرفطری تقاضا ہے۔تا کہ خواتین بلا جھجک اپنے امراض کے ازالہ اورشفایاب ہونے کے لئے اقدامات کرسکیں لہذا طبی شعبہ میں خواتین کی تعلیم وتربیت ایک مُعاشرتی ضرورت ہے۔ لہذا اس کے حصول کے لئے گھر سے نکل کر تعلیمی اداروں میں جانا،اسی طرح طب کے شعبہ میں تربیت یافتہ خواتین عملہ کا خواتین کے ہسپتالوں میں طبی فرائض ادا کرنا،اسلامی شریعت کے بُنیادی مقاصد سے ہم آہنگ ہے۔ چنانچہ انسانی جان کی حفاظت کے لئے تمام مطلوبہ اقدامات اسی ضمن میں نا صرف درست بلکہ ناگزیر قرار پاتے ہیں۔

اسی طرح مُعاشرہ میں بسا اوقات خواتین جرائم میں مُبتلا ہو کر مُستحق سزا ہوجاتی ہیں۔ایسی صورت میں اُن سے تفتیش کرنے کے لئے تربیت یافتہ خواتین کا عملہ (پولیس) ہونا بھی ایک ناگزیر حیثیت رکھتا ہے۔اسی طرح مُجرم خواتین کے لئے علیحدہ جیل اوراس پر مامور عملے کا خواتین میں سے ہونا نیز عدالتوں میں ان کے مقدمات کی سماعت کے لئے خواتین ججز کا ہونا بھی اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ ان امور کی انجام دہی کے لئے گھر سے باہر نکل کر متعلقہ امور انجام دیئے جائیں۔

الغرض ایسے امور کی انجام دہی اور ان کے لئے متعلقہ تعلیم وتربیت کے حصول کے لئے خواتین کا گھر سے نکل کر اپنی ذمہ داری ادا کرنا کسی طور پر اسلامی شریعت کی بنیادی روح سے متصادم نہیں بلکہ ہم آہنگ ہے جن کا تعلق خواتین کو معاشرتی زندگی میں سہولت مہیا کرنا ہے اوران کے فطری حیاء وشرم کے تقاضوں کے مطابق انہیں صنفی دباؤ سے محفوظ رکھنا ہے۔

علامہ ابن الھمام (م ۸۶۱ھ) مجموع النوازل کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''فان كانت قابلة اوغسالة اولها حق على آخرا ولآخرعليها حق تخرج بالاذن وبغير الاذن، وعللوا هذا بان خروج القابلة والمغسلة انما هو لفرض الكفاية، والخروج للفروض الكفاية خروج بحق شرعي''(۳۱)

''اگر بیوی، دایہ یا میت کو غسل دینے والی پیشہ ور خاتون ہے یا اس کا کسی شخص کے ذمہ حق ہے یا اس پر کسی کا حق ہے تو با اجازت و بلا اجازت گھر سے باہر جا سکتی ہے، اور فقہاء نے اس کی وجہ بتائی ہے کہ دایہ اور مغسلہ کا گھر سے نکلنا، فرض کفایہ کی ادائیگی کے لئے ہے اور فرائض کفایہ کے لئے نکلنا، ایک شرعی حق کے سبب نکلنا ہے۔''

اُستاذ ابوزھرہ (م ۱۹۷۴ء) کہتے ہیں کہ جب کوئی مہارت، فرائض کفایہ میں سے ہو، تو اس کی ادائیگی کے لئے گھر سے باہر آنے کو منع کرنا، شریعت کی نافرمانی کہلائے گی اور خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی بات ماننا درست نہیں ہے۔(۳۲)

مزید برآں موجودہ دور میں معاشی کساد بازاری اور بڑھتی ہوئی مہنگائی کے سبب بسا اوقات شوہر کو اس قدر آمدنی نہیں ہوتی کہ وہ اس میں اپنے اہل وعیال کی ضروریات پوری کر سکے۔ ایسے میں اگر بیوی گھریلو اخراجات پورے کرنے کے لئے اپنے شوہر کی معاون بننا چاہے تو یقیناً شوہر کو ذہنی دباؤ سے نجات مل سکے گی۔ کیونکہ قلیل آمدنی میں شوہر کے لئے اپنی بیوی اور اہل وعیال کی جائز ضروریات پورا کرنا موجودہ مادی دور میں ایک بہت بڑا معاشی، نفسیاتی اور عائلی مسئلہ بن چکا ہے۔ جس کی وجہ سے گھریلو سکون بری طرح متاثر ہوتا ہے۔ گو معاشی ضروریات کی تکمیل بنیادی طور پر شوہر کی ذمہ داری ہے اور بیوی اس سے مستغنی ہے لیکن معاشی حالات کے جبر کے تحت صورتحال کو دوسرے زاویہ سے بھی دیکھا جانا چاہیے۔ موجودہ دور میں خانگی ضروریات کا دائرہ بھی وسیع ہو گیا ہے اور ان کی نوعیت بھی تبدیل ہو گئی ہے۔ لہٰذا ان کا ایک جائز دائرہ میں خیال رکھا جانا چاہیے ورنہ اس کا ردعمل نہایت ناخوشگوار یا پیچیدہ ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی (م ۱۲۵۲ھ) نے اس امر کی تصریح کی ہے:

''اماالعمل الذى لا ضرر له فيه فلا وجه لمنعها منه خصوصا فى حال غيبته من بيته فان ترك المرأة بلا عمل فى بيتها يؤدى الى وساوس النفس والشيطان اوا لاشتغال بما لا يعنى مع الاجانب أوالجيران''(۳۳)

''جس کام سے شوہر کو کوئی نقصان نہیں ہو رہا ہے تو بیوی کو اس سے منع کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ خاص طور پر جب شوہر گھر سے دور بھی ہو کیونکہ عورت کا اپنے گھر میں بغیر کام کے رہنا نفس اور شیطان کے وسوسوں کا باعث بن سکتا ہے یا آس پڑوس کے ساتھ لایعنی مشغولیت ہو سکتی ہے۔''

گویا جب فقہاء محض لایعنی مصروفیات سے محفوظ رکھنے کے لئے عورت کی عملی مصروفیت کے حامی ہیں۔ تو فی زمانہ معاشی مسائل کے حل میں عورت کی خدمات سے استفادہ کرنے میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونی چاہیے بشرطیکہ وہ محض کسی معاشرہ کی اندھی پیروی نہ ہو بلکہ درپیش صورتحال کا معروضی تقاضا ہو۔ جہاں تک بیرون خانہ سرگرمیوں کا تعلق ہے تو یقیناً اس میں شوہر کے اعتماد اور اس کے اطمینان کا ہونا ایک لازمی تقاضا ہے کہ خانگی زندگی باہمی اعتماد سے ہی پروان چڑھتی ہے۔ نیز بیرون خانہ سرگرمیوں کے لئے شریعت نے جو احکام حجاب وغض بصر مقرر کیے ہیں ان کی پاسداری بہر حال پیش نظر رکھنا لازمی اور ضروری ہے۔ اس کی نشاندہی علامہ ابن الھمام نے یوں کی ہے:

''انما یباح بشرط عدم الزینة وتغییر الھیئة الی مالا یکون داعیة الی نظر الرجال والاستمال له قال اللّٰه تعالیٰ ولا تبرجن تبرج الجاھلیة الاولی''(۳۴)

''عورت کو اس شرط کے ساتھ بیرون خانہ آنے کی اجازت ہے کہ بناؤ سنگھار نہ ہو اور ایسی ہیئت کی تبدیلی کے ساتھ ہو کہ مردوں کی نظریں اٹھنے اور ان کے میلان کی محرک نہ بنے کہ ارشادِ خداوندی ہے، کہ پہلی جاہلیت کی طرح سج دھج کر گھر سے باہر مت نکلو۔''

لہٰذا فی زمانہ بیرون خانہ عورت کے کام کاج کی شرعی نوعیت متعین کرنے کے حوالہ سے درج ذیل امور کو پیش نظر رکھا جانا ضروری ہے:(۳۵)

1۔ **کام کی نوعیت:** مثلاً تعلیم، علاج ومعالجہ، بیمار کی نگہداشت، زچگی کی انجام دہی، جرائم کی تفتیش وغیرہ کئی ایسے کام ہیں جن سے معاشرہ مستغنی نہیں ہو سکتا اور یہ امور عورت کو گھر سے باہر جانے کا حق دیتے ہیں اور اس سے اس کا حق نفقہ متاثر نہیں ہوتا۔

2۔ **خاندان کے حالات:** خاندانوں کے حالات یکساں نہیں ہوتے ان میں تولید وبانجھ پن، خوشحالی وتنگ دستی، کثرت وقلت اولاد، شوہر کی حساسیت میں اعتدال وشدت، مُعاشرے میں فتنہ انگیزی کی نوعیت کے حوالہ سے فرق ہوتا ہے۔ چنانچہ شوہر کی غیر ضروری حساسیت نہ ہونے کی صورت میں خاندان کے لئے ناکافی وسائل ہونے کی بنا پر بیوی کے کام کرنے میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں ہے۔

3۔ **منفرد مہارت:** جو خاتون کوئی ایسی مفید فنی مہارت رکھتی ہے جس میں اس کی نمایاں حیثیت ہے اور معاشرہ میں اس کا کوئی مناسب متبادل موجود نہیں ہے اور ایسی صورت میں اس مہارت و تجربہ سے استفادہ نہ کرنے میں مجموعی طور پر معاشرہ کا حرج ہے تو لازماً ایسی مہارت سے شرعی حدود میں رہ کر استفادہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ ایسی صورت میں تو فرض کفایہ بھی فرض عین بن جاتا ہے، اسی طرح خاص طور پر کئی کام ایسے ہیں جن کو خواتین کے علاوہ کوئی اور بہتر طور پر انجام نہیں دے سکتا۔ جیسے خواتین کا علاج ومعالجہ، بچوں کی دیکھ بھال، یتیموں کی نگہداشت، بچوں کی نرسری میں نگرانی وغیرہ۔

4۔ **اقتصادی حالات:** موجودہ دور میں اقتصادی بحران کے سبب یہ امر فائدہ مند ہے کہ عورت خاندان کی مناسب آمدنی کے لئے کوئی مفید اور تعمیر سرگرمی انجام دے اور مالی مشکلات سے عہد برآ ہونے کے لئے شوہر کا ہاتھ بٹائے۔

یہ امر قرینِ عقل ہے کہ بیرون خانہ عورت کا کام کاج، عورت کی گھریلو امور کی نگرانی (حفظ غیب) کے ساتھ ساتھ ہوگا۔ جس میں نظافت وصفائی کی نگرانی، گھر کی تنظیم وتربیت، گھریلو اشیاء کی حفاظت، اولاد کی دیکھ بھال اور یہ کہ وہ شوہر کو اعتماد میں لئے بغیر کسی کو گھر میں آنے کی اجازت نہ دے وغیرہ شامل ہیں، اگرچہ قرآن وسنت میں کوئی نص موجود نہیں جو عورت پر اس طرح کی ذمہ داری عائد کرتی ہو۔ بیوی کا مفاد اپنی خدمت آپ میں ہے یا کم از کم اپنی بساط کے مطابق اہم امور انجام دینا ہے اور اس کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ اپنی بساط سے باہر کے کام خادموں کے سپرد کر کے ان کی نگرانی کرے۔ جبکہ گھر کو بغیر کسی نگرانی کے مکمل طور پر ملازموں کے سپرد کرنا گھریلو زندگی میں کئی مسائل کا باعث بنتا ہے کہ گھریلو راز چار دیواری سے باہر چلے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ کینہ اور حسد جیسے اخلاقِ رذیلہ وغیرہ جنم لیتے ہیں۔ اس لئے گھریلو امور کی دیکھ بھال کی بنیادی ذمہ داری عورت کی نفسیات سے ہم آہنگ اور اس کے لئے باعثِ اعزاز ہے۔

الحاصل مذکورہ بحث سے درج ذیل نتائج واضح ہوتے ہیں:

۱۔ دینی تعلیمات کی رو سے سماج کی تشکیل میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین بھی شریکِ عمل تصور کی جاتی ہیں۔ چنانچہ عہد نبوی کی سماجی سرگرمیوں میں خواتین کی شرکت کو کسی صورت میں اجنبی تصور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ سماجی امور میں ان کی باہمی معاونت سے بسا اوقات پیچیدہ گتھیاں سلجھائی گئیں۔

۲۔ خاندانی نظام، جو سماج کی تشکیل کا پہلا مرحلہ ہے، تقسیم کار کے فطری اور روایتی اصول پر بالعموم اپنا مطلوبہ کردار ادا کرتا ہے جس کے تحت شوہر بیرون خانہ سرگرمیوں کی انجام دہی کرتا ہے اور بیوی خانگی معاملات کی نگرانی کرتی ہے۔

۳۔ خاندانی نظام میں ازدواجی معاہدہ کو اساسی اہمیت حاصل ہے کہ وہ اسی سے وجود پذیر ہوتا ہے۔اس لئے اس کے انعقاد کے وقت اگر زوجین کے مابین یہ معاہدہ طے پا جائے کہ بیوی بیرون خانہ صحت مند سماجی سرگرمیوں میں اپنا کردار ادا کرے گی یا ادا کرتی رہے گی تو ایسی صورت میں شوہر کے گھریلو نظم وضبط کے عنوان کے تحت اپنے صوابدیدی اختیار استعمال کرنے کے شرعاً معتبر ہونے کے بارہ میں برصغیر کے معاصر اہل علم کی آراء میں کافی تنوع پایا جاتا ہے۔

۴۔ موجودہ عہد میں سماجی سرگرمیوں کی نوعیت، خاندانی حالات، کسی شعبہ میں خصوصی مہارت اور اقتصادی حالات کے تناظر میں غور کیا جائے تو زوجین کے مابین ہونے والے ایسے معاہدہ کی پاسداری روح شریعت سے کسی طور پر متصادم نظر نہیں آتی۔جس میں بیوی کی بیرون خانہ صحت مند سرگرمیوں پر اتفاق کیا گیا ہو بلکہ ایسے معاہدہ کی پاسداری ضروری قرار پاتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ البقرۃ:۲۲۸

۲۔ وحیدالدین خاں، مولانا، خاتون اسلام، دارالاصلاح لاہور،۱۹۹۴ء، ص۱۹۱

۳۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، ابوعبداللہ، الامام، الجامع الصحیح، باب کیف کان بدأ الوحی، حدیث نمبر۳

۴۔ عبدالرؤف داناپوری، مولانا، اصح السیر، مطبوعہ نور محمد اصح المطابع وکارخانہ تجارت کتب، کراچی ۱۹۳۲ء، ص۲۳۲

۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، باب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ، حدیث نمبر۲۷۳۱

۶۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، حدیث نمبر۲۱۷۰

۷۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الحیض، حدیث نمبر۳۳۲

۸۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن فصیح، ابوعبداللہ، الطبقات الکبریٰ (تحقیق زیاد محمد منصور) مکتبۃ العلوم والحکم، المدینہ المنورہ، طبعۃ ثانیہ،۱۴۰۸ھ، ج۸، ص۲۲۹، ایضاً ص۲۹۶

۹۔ ابوداؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق الازدی، السنن، باب الرقی، حدیث نمبر۳۸۸۷

۱۰۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عاصم النمیر القرطبی، الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب (تحقیق علی محمد البجاوی)، دارالجیل، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۲ء، ج۴، ص۱۸۶۹

۱۱۔ ابوداؤد، السنن، باب فی المبتوتۃ، حدیث نمبر۲۲۹۷

۱۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، باب قول اللہ تعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ، حدیث نمبر۹۳۸

۱۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ج۸، ص۲۲۸

۱۴۔ ایضاً، ج ۸، ص ۲۳۰

۱۵۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، کتاب الجہاد والسیر، حدیث نمبر ۱۸۱۳

۱۶۔ البخاری، الجامع الصحیح، باب اذا لم یکن لھا جلباب، حدیث نمبر ۹۸۰

۱۷۔ المروزی، محمد بن نصر بن الحجاج، ابوعبداللہ، کتاب السنۃ (تحقیق، سالم احمد السّلفی)، مؤسسۃ الکتب الثقافیہ، بیروت، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۸ھ، ج ۱، ص ۴۸، حدیث نمبر ۱۵۳

۱۸۔ عبیداللہ سندھی، مولانا، المقام المحمود (تحقیق مُفتی عبدالقدیر) مکی دارالکتب لاہور، ستمبر ۱۹۹۷ء، ج ۱، ص ۵۶۲

۱۹۔ اس رائے کا اظہار مولانا محمد ابوبکر (مدرسہ اسلامیہ شکر پور، بھروارہ، دربھنگہ بہار (بھارت) میں استاذ فقہ) اور مولوی نعیم اختر قاسمی (دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد (بھارت) نے کیا ہے بحوالہ مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا، مشروط نکاح، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی پاکستان (ت۔ن) ص ۴۲۱، ایضاً، ص، ۴۳۷

۲۰۔ البقرۃ: ۲۲۸

۲۱۔ مولوی ہارون الرشید مظاہری (امارت شرعیہ پٹنہ (بھارت) سے منسلک) بحوالہ مجاہد الاسلام قاسمی، مشروط نکاح، ص ۴۵۸

۲۲۔ مولانا شاہد قاسمی، بحوالہ مجاہد الاسلام قاسمی، مشروط نکاح ص ۳۸۲

۲۳۔ الحصکفی، محمد بن علی بن محمد الحسنی، علاؤالدین، الدرالمختار فی شرح تنویر الابصار للتمر تاشی، مطبوع مع حاشیہ ابنِ عابدین، دارالفکر، بیروت، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۲۲ھ، ج ۲، ص ۶۶۵

۲۴۔ مجاہد الاسلام قاسمی، مشروط نکاح، ص ۱۳۳۔ یہ رائے، مولانا شمس پیرزادہ کی ہے جو صدر ادارہ دعوۃ القرآن بمبئی (بھارت) تھے۔ اس سے مولانا اختر امامِ عادل (دارالعلوم حیدرآباد بھارت کے اُستاذ فقہ) بھی متفق ہیں، بحوالہ مجاہد الاسلام قاسمی، مشروط نکاح، ص، ۱۳۳، ایضا، ص ۳۰۰

۲۵۔ ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی (مرکز الدراسات الاسلامیہ، میسور، کرناٹک (بھارت) میں استاذ)، ایضاً، ص ۵۲۴

۲۶۔ مولانا اخلاق الرحمان (جامعہ اشاعت الاسلام اکل کواں، دھولیہ، مہاراشٹر (بھارت) میں استاذ)، ایضاً، ص ۳۳۰

۲۷۔ مولانا محفوظ الرحمٰن شاہین جمالی (مدرسہ امداد الاسلام صدر بازار میرٹھ، یوپی کے شیخ الحدیث) اور مولانا ابوالحسن علی (دارالعلوم ماٹلی والا، بھروچ، گجرات کے شیخ الحدیث)، ایضاً، ص ۱۹۰، ۱۴۵

۲۸۔ مولانا محمد طیب الرحمان (آسام کے امیر شریعت)، ایضاً، ص ۱۷۳

۲۹۔ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی (دارالعلوم سبیل السلام حیدرآباد کے صدر مدرس اور دارالقضاء آندھرا پردیش (بھارت) کے نائب قاضی شریعت)، ایضاً، ص ۶۰

۳۰۔ الکاسانی، ابوبکر بن مسعود بن احمد، علاؤالدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دارالکتب العلمیہ، طبعۃ ثانیہ،

١٤٠٦ھ،فصل ملک الحبس والقید ،ج ٢،ص ٣٣١

٣١۔ ابن الھمام ،محمد بن عبدالواحد، کمال الدین، السیواسی، شرح فتح القدیر للعاجز الفقیر ، دارالفکر، (ت۔ن) ، ج ٢،ص ٣٣٣

٣٢۔ ابوزھرہ،محمد،الاستاذ،الاحوال الشخصیہ ،ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ،کراتشی، باکستان،١٤٠٧ھ،ص ٢٥٢

٣٣۔ ابن عابدین،محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز الدمشقی الحنفی ، ردالمحتار علی الدر المختار، دارالفکر، بیروت،طبعۃ الثانیہ، ١٤١٢ھ، ج 3،ص ٦٠٣،مطلب فی الکلام علی المؤنسۃ

٣٤۔ ابن الھمام،شرح فتح القدیر،ج ٢،ص ٣٣٦

٣٥۔ الزراد،فیصل محمد خیر،ڈاکٹر، المراۃ بین الزواج والطلاق فی المجتمع العربی والاسلامی، دارالکتب العربی، بیروت لبنان،2010م،ص ٨٧۔٨٦